* ڈاکٹر محمد سلمان بھٹی
** نوشین نصر اللہ

منیر نیازی اور میراجی کی شاعری میں اساطیری عناصر

Both of meara jee and Munir Niazi are honorable poets of modern and same era ,thats why there are much simalarities in there topics and vision.The most authentic and strong refrence is of mythology.There are myths in there Hindi and islamic poetry,this artical includes both of poets works and mythology in detail.

جدید اردو نظم گو شعراء میں میراجی اور منیر نیازی اہم مقام و مرتبے کے شاعر ہیں۔ دونوں کا زمانہ تقریباً ایک ہی ہے اور اسی وجہ سے دونوں کے ہاں کسی حد تک موضوعات مشترک ہیں جن میں سے سب سے معتبر حوالہ اساطیر کا ہے۔ میراجی اور منیر نیازی کی شاعری میں ہندی اور اسلامی اساطیر پائی جاتی ہیں۔ اس مضمون میں ان دونوں شعراء کرام کے کلام میں سے چند ایک اساطیر اور ان کی وضاحت درج کی گئی ہے۔

کلیدی الفاظ: منیر نیازی، میراجی، اساطیر، دیومالا، علم، سادھو، عقیدہ، جنت، اپسرا، بیراگ، پاروتی، آتما، جادہ، گنگا، شیام، رادھا

اساطیر عربی زبان کا لفظ ہے یہ اسطار یا اسطورہ سے نکلا ہے سطر اس کا واحد ہے اسطور جمع ہے اور اساطیر جمع الجمع ہے۔ **''تو بنا سکتے ہیں ہم بھی ایسی ہی باتیں، نہیں ہیں یہ، مگر کہانیاں پہلے لوگوں کی''(۱)** قرآن پاک میں بھی اساطیر الاولین کا لفظ مستعمل ہے جس کا مطلب ہے پرانے زمانے کے لوگوں کے قصے اور کہانیاں اردو زبان پر چونکہ ہندی زبان کے اثرات بھی موجود ہیں اس لیے اساطیر کے لیے ہندی زبان میں ''دیومالا'' اور ''علم الصنام'' کی اصطلاحات بھی استعمال کی جاتی ہیں۔ انگریزی زبان میں اسطورہ کے لیے (myth) متھ اور اساطیر کے لیے (Mythology) میتھالوجی کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ مختلف لغات میں اساطیر کی تعریفیں کچھ اس طرح درج ہیں:

المنجد:

''الاسطورہ، قصہ، حکایت، اساطیر''(۲)

فرہنگِ عامرہ:

''اساطیر، اسطارہ و اسطور کی جمع، افسانہ، کہانی''(۳)

جامع اللغات:

''اساطیر جمع اسطارات، قصے کہانیاں''(۴)

فرہنگِ تلفظ:

''اُسطورہ: مذہبی حکایت، دیومالا کی کہانی، مذہبی روایت، قصہ، قدیم افسانہ، اساطیر''(۵)

علمی اردو لغت:

''اساطیر اُسطورہ کی جمع قصے، کہانیاں، کہاوتیں''(۶)

---

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، یونیورسٹی آف ایجوکیشن، لاہور۔
** پی ایچ۔ڈی سکالر، شعبہ اُردو، یونیورسٹی آف ایجوکیشن، لوئر مال کیمپس، لاہور۔

اسطوری لفظیات کے اندر معنی کا ایک وسیع خزانہ موجود ہوتا ہے۔علم الاصنام، دیو مالا اور اساطیر کے حوالے سے مختلف مفکرین نے بھی بہت عمیق ریزی سے کام لیا ہے اس حوالے سے مختلف مفکرین کی آرا بھی خصوصی اہمیت کی حامل ہے، کچھ مفکرین کے نزدیک اساطیر مذہب ہیں، فلسفہ ہیں، سائنس ہیں، تاریخ میں، اپنے اپنے انداز میں ہر مفکر نے اساطیر کے وسیع خزانے کو سمجھنے اور پرکھنے کی کوشش کی ہے، ذیل میں کچھ مفکرین کی آرا کو درج کیا جا رہا ہے۔ بقول رشید ملک:

''عربی زبان کا لفظ اسطورہ فارسی کا اسطور اور انگریزی کا سٹوری ان سب کے لیے یونانی زبان کا لفظ میتھ استعمال ہوتا ہے۔اسطور کی جمع اساطیر ہے جس سے مراد بہت ساری اسطور ہیں لیکن اس لفظ سے مراد اساطیر کا علم اور ان کا سائنسی اور تاریخی خطوط پر عمیق مطالعہ اور اساطیر کا ایک نظام بھی ہے جسے انگریزی میں ''متھالوجی'' کہتے ہیں۔یہ انسانی علوم کا وہ شعبہ ہے جس کا مصنف مختلف اقوام کی اساطیر کی تعبیر، تاویل تجزیہ، تحلیل، تقابل اور ان کے دیگر شعبہ ہائے علوم سے تعلقات کا تعین ہے۔''(۷)

بقول ڈاکٹر مہر عبدالحق:

قدیم انسان نے دنیا اور مافیہا کو اپنی تفہیم کی سطح کے مطابق جس انداز میں معنی پہنانے کی کوشش کی ہے اس کے واضح نشانات ہمیں ان اساطیر الاولین میں ملتے ہیں جن میں مختلف قبائل نے اپنے آبا و اجداد یا ہیروز یا فوق البشر ہستوں کے فرضی یا نیم حقیقی واقعات اور کارناموں کو محفوظ رکھا ہوا ہے۔یہ کارنامے علمی و ادنی کرداروں کے ایسے ان مٹ نقوش ہیں جو ہزاروں برسوں سے سینہ بہ سینہ اور نسلاً بعد نسل تواتر سے ہم تک پہنچے تاہم نہیں کہا جا سکتا کہ یہ روایتی کہانیاں حقیقی تھیں یا ان میں تخیل کا آمیز زیادہ تھا یا یہ بالکل فرضی تھیں کیونکہ مبالغہ آمیزی نے ٹھوس تاریخی واقعات کو بھی عقیدت مندی کے غلوئی درجے تک پہنچا دیا ہے۔چنانچہ تاریخ اپنی حدود سے نکل کر افسانوی ادب کا حصہ بن گئی ہے ان روایتی کہانیوں کو اصطلاح میں ''دیو مالا'' یا متھ کہا جاتا ہے اور ان کا علم یا کہانیوں کا خصوصی مطالعہ کہلاتا ہے''(۸)

ڈاکٹر وزیر آغا:

''اسطور یا متھ یونانی زبان کے لفظ مائی تھوس سے ماخوذ ہے جس کے لغوی مفہوم ہے وہ بات جو زبان سے ادا کی جائے یعنی کوئی قصہ یا کہانی ابتداً اسطور کا یہی تصور رائج تھا لیکن بعد ازاں کہانی کی تخصیص کر دی یوں کہ اسطور اس کہانی کا نام قرار دیا جو دیوتاؤں کے کارناموں سے متعلق تھی یا ان شخصیتوں کی مہمات کو بیان کرتی تھی جو زمین پر دیوتاؤں کی نمائندہ تھیں۔۔۔۔۔۔اسطور مذہب سے زیادہ قدیم ہے۔'' (۹)

علم نفسیات، علم بشریات اور مذاہب کے تقابلی مطالعہ تک اساطیر کا دائرہ کار وسیع کر دیا گیا ہے۔اسی حوالے سے اساطیر کی مندرجہ ذیل مختلف اقسام سامنے آئیں۔ بولے نے ان اصناف کی تعداد پانچ بتائی:

۱) اسباب و علل کی کہانیاں
۲) پریوں کی کہانیاں اور لوک کہانیاں
۳) جانوروں کی کہانیاں
۴) رزمیہ اور ساگا
۵) لجینڈز

لیوی سپنس نے ان کی تعداد تین بتائی:

۱) فوک لور
۲) فوک ٹیل
۳) لجینڈز

میخائل جیمسن نے اساطیر کو چار انواع میں تقسیم کیا:

۱) ساگا

۲) لجینڈ

۳) لوک کہانیاں

۴) مارکین (۱۰)

''شاعری کلاسیکی عہد میں ہو یا جدید عہد میں، تحریکوں کا نتیجہ ہو یا قیام پاکستان کے بعد ہجرت کا دکھ کا بیان اس کا دامن مختلف اساطیر کی جانب اشاروں سے مملور ہا ہے۔

سب پہ جس بار نے گرانی کی
اس کو یہ ناتواں اٹھا لایا

(میر تقی میر)

اب کہیں جنگلوں میں ملتے نہیں
حضرت خضر مر گئے شاید

(میر تقی میر)

تیشے بغیر مر نہ سکا کوہ کن اسدؔ
سر گشتہ خمار رسوم و قیود تھا

(اسدؔ اللہ خاں غالب)

آرہی ہے چاہ یوسف سے صدا
دوست یاں تھوڑے ہیں اور بھائی بہت

(حالیؔ)(۱۱)

اساطیر کا دائرہ کار صرف دنیائے شاعری تک محدود نہیں ہے بلکہ ذرا غور کریں تو اندازا ہوتا ہے کہ اساطیر نے تمام اصنافِ ادب تک اپنے پر پھیلا رکھے ہیں یہ داستان، افسانہ، ناول، ڈرامہ، قطعہ، رباعی، مثنوی، حمد اور نعت میں بھی پائی جاتی ہے۔

وقت تیز رفتاری کے ساتھ بدل رہا ہے اور اس بدلتے منظر نامے میں انسان بہت جلدی کے ساتھ ترقی کی منازل طے کرتا جا رہا ہے آج دنیا ایک گلوبل ولیج میں بدل چکی ہے اسی وجہ سے آج کے دور میں انسان کے پاس وقت کی شدید کمی ہے اسی کمی کے احساس کو محسوس کرتے ہوئے مصنفین اور شعراء کرام نے اپنے کلام میں علامتی اور اساطیری انداز کو اپنانا شروع کر دیا اساطیر اور علامت کے ڈانڈے ایک سطح پر جا کر آپس میں مل جاتے ہیں کیونکہ علامت اور اساطیر گنجینہ معنی طلسم ہوتے ہیں۔

اساطیر دراصل سینہ بہ سینہ منتقل ہونے والی کہانیاں ہیں جب تک ماضی کے واقعات محدود تھے ان کو یاد رکھنا دشوار نہ تھے لیکن جیسے جیسے وقت آگے کی طرف بڑھا ان تمام واقعات کو یاد رکھنا ممکن نہیں تھا اسی لیے مصنفین اور شعراء کرام نے اس امر کی ضرورت کو محسوس کیا اور ماضی کے ان واقعات نے مجبور کیا کہ ان قصے، کہانیوں اور داستانوں کو اشاروں کنایوں کے ذریعے محفوظ کیا جائے درحقیقت یہی وہ سطح تھی جہاں انسان نے اپنے دماغ کا استعمال کرتے ہوئے ماضی کو محفوظ کرنے کا سلسلہ شروع کیا اور اس کے لیے تحریر کا سہارا لیا اور یہی ابتدائی تحریریں بعد میں اساطیر بن گیں۔ اساطیر ہماری پوری تہذیب کا احوال ہمارے سامنے بیان کر دیتی ہیں اساطیر کا استعمال کر کے شاعر اور مصنف پورا عہد اپنے قاری کے سامنے رکھ دیتے ہیں اساطیر کلام

میں خوبصورتی اور وضاحت کے لیے استعمال کی جاتی ہیں۔

کلاسیکی عہد سے لے کر عہد جدید تک مختلف شعراء نے اپنے کلام میں اساطیر کا استعمال کیا ہے میراجی اور منیر نیازی کے کلام میں بھی اساطیری عناصر کا وافر ذخیرہ موجود ہے۔

اپسرا:

لغوی معنی: حسینہ، جنت کی پری، رنڈیوں کی ایک قسم، اندر کی سبھا میں ناچنے والی پری، طوائف، خوبصورت عورت (۱۲) ہندی اساطیر میں ایک انتہائی دلکش مخلوق کا تذکرہ ملتا ہے جس کو اپسرا کہا جاتا ہے یہ اپسرا پریوں جیسی مخلوق ہے ابتدا میں اپسرائیں سمندروں کی آبی مخلوق یا آبی پریاں تھیں یہ پانیوں پر چلتی تھیں یہ آسمان کے دیوتا اندر کی جنت میں رہتی ہیں۔ابن حنیف کے خیال میں مہابھارت کے ایک بیان کے مطابق:

''اپسرائیں مندرا نامی پہاڑ پر رہتی ہیں اور بعض روایات کی رو سے یہ آسمانی مغنیوں گندھربوں اور کنیزوں کے ساتھ افسانوی پہاڑوں پر رہتی ہیں۔(۱۳)

رگ وید کے دور میں ان کو آبی مخلوق کہا گیا اور برہمنی دور میں کہا گیا کہ یہ کیلے اور انجیر کے درختوں میں رہتی ہیں اپسراوں کی پیدائش کے حوالے سے بھی ہندو صنمیات میں طرح طرح کی روایات ملتی ہیں۔

ابن حنیف کے خیال میں ست پتھ براہمنا کے مطابق:

''اپسرائیں اور ان کے مشاق یا شوہر گندھرب (گندھرو) پرجاپتی کے بدن کے بریدہ ٹکڑوں سے پیدا ہوا تھے۔''(۱۴)

ابن حنیف کے مطابق منوسمرتی کا بیان ہے:

''اپسراوں کو سات منوؤں نے پیدا کیا تھا جو نوع انسانی کے مورث اعلی تھے۔''(۱۵)

ابن حنیف کے خیال میں رامائن میں کہا گیا ہے:

اپسرائیں دودھ کے سمندر سے پیدا ہوئی تھیں دیوتاوں اور اشوروں (عفریتوں) نے امرت نکالنے کے لیے مل کر دودھ کے سمندر کو بلویا تھا۔''(۱۶)

مختلف کتابوں میں بھی شاعرانہ انداز میں اپسراوں کا ذکر ملتا ہے، رگ وید میں ان کو زیادہ اہمیت نہیں دی گئی ہے۔البتہ اروشی اور چند ایک دوسری اپسراوں کے نام ملتے ہیں۔اپسراوں کی تعداد کروڑوں میں بتائی جاتی ہے۔رامائن میں امرت منتھن (ساگر منتھن) کی اسطورہ کی رو سے دودھ کے سمندر کو بلونے کے نتیجے میں چار کروڑ ساٹھ لاکھ اپسرائیں نمودار ہوئی تھیں۔''(۱۷)

اپسراوں کی دو اقسام ہیں آسمانی اپسرائیں ''دیوک'' اور زمینی اپسراوں کو ''لولک'' کہا جاتا ہے۔

ہندو دیومالا میں اپسراوں کے حوالے سے مختلف کہانیاں بھی ملتی ہیں جیسے مینکا نامی اپسرا شکنتلا کی ماں تھی۔اروشی اور پروروس کی کہانی جن کے ملاپ سے راجہ واسوایو پیدا ہوا تھا یہ ایک نیک دل حکمران تھا اور اسی سے پورونسل کا آغاز ہوا پورونسل کا جدِ امجد پروروس اور اروشی تھے۔اروشی، مینکا، رمبھا، تلوتما انتہائی خوبصورت اپسرائیں ہیں یہ حسن کا شاہکار ہیں اور سب اپسراوں سے زیادہ مقبول ہیں۔منیر نیازی نے بھی اپنی شاعری میں اپسرا کی اساطیر کا استعمال کیا ہے منیر نیازی کی شاعری میں یہ اپسرا بہار کے موسم میں خوشبو کے سنگ شور مچاتی ماضی کی ایک خوبصورت یاد بن کر ابھرتی ہے۔

حدیثِ دل

بہار کی رت میں جب ہوائیں
سلگتی خوشبو اڑا کے لائیں
تو اس کے ہر سمت شور کرتی

ہیں بیتے لمحوں کی اپسرائیں
(۱۸)

رادھا/شیام:

رادھیکا: شری کرشن جی کی معشوقہ، برج نگری کی خوبصورت گوپن، کرشن کے پیار میں۔۔فراق میں تڑپنے والی عورت ہے۔''(۱۹)

رادھا کے متعلق جاننے کے لیے سری کرشن جی کی حیات کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔ڈاکٹر مہر عبدالحق لکھتے ہیں:

''رادھا کا نام کرشن کے نام کا جزو لاینفک ہے۔مذہبی گیتوں میں بھجنوں میں، دعاوں میں، تصویروں میں جہاں کہیں کرشن کا نام آئے گا اس کے ساتھ رادھا کا نام بھی ضرور آئے گا۔اس دیوتا کی بیویوں کو بھلا دیا گیا ہے لیکن اس کی محبوبہ رادھا کی پرستش کرشن کی پرستش کے ساتھ ہوتی ہے۔''(۲۰)

ہندووں کے عقیدے کے مطابق سری کرشن جی وشنو دیوتا کا آٹھواں اوتار ہیں۔کرشن کے لغوی معنی کالا یا سیاہ ہیں کیونکہ کے یہ رات کی تاریکی میں پیدا ہوئے تھے، سری کرشن جی کا بچپن اور جوانی گایوں کے چرواہے کے طور پر گزری یہ بہت خوبصورت جوان تھے۔ہندو کلاسیکل ڈکشنری میں ان کی جوانی کے متعلق لکھا گیا ہے:

''تمام گوپکا ان پر عاشق تھیں اور یہ بھی سب کے ساتھ آزادانہ اور کھلے طور پر اپنی عنایت ظاہر کرتے تھے اگر چہ ان میں سے آٹھ کے ساتھ شادی بھی کی لیکن سب سے عزیز اور منظور نظر رادھا جی تھی۔اس زمانے میں سری کرشن جی کے سر کے بال کھلے تھے اور ہاتھ میں بنسری رہتی تھی۔''(۲۱)

جوانی میں سری کرشن جی کی دوستی گوپیوں سے ہوگئی یہ گوپیاں چرواہوں کی بیویاں اور بیٹیاں تھیں رادھا سب سے مشہور گوپی تھی۔کرشن جی کی گوپیوں سے دوستی کی وجہ سے ان کی پوجا بھی کی جانے لگی۔ہندومت میں سری کرشن جی سے متعلق اور بھی بہت سی کہانیاں پائی جاتی ہیں، منیر نیازی کے کلام میں بھی رادھا اور شیام کی اساطیر موجود ہے، ان کے خیال میں رادھا شیام کی سچی محبوبہ ہے اس کے فراق میں تڑپتی ہے اور روتی ہے۔

پریم کہانی

اُس بن میں اک بھولی رادھا
شیام سے ملنے آتی تھی
جب اس کو نہیں پاتی تھی
تو رو رو نین گنواتی تھی
(۲۲)

بیراگ:

بیراگ کے لغوی معنی ہیں: حظوظ نفسانی اور لذائذ شہوانی کو ترک کرنا۔(۲۳) بیراگی اسم فاعلی ہے یعنی وہ شخص جس نے دنیا ترک کر دی ہو زہد اور ریاضت بھی اس کے معنی ہیں جبکہ سادھو اس کا مترادف ہے۔سادھو کے معنی ہیں: وہ شخص جو شاستر کے احکام کی تعمیل عقبےٰ کی بہبودی کی تیاری کرتا ہو، پارسا، عابد، خداترس، عارف وغیرہ (۲۴)

ہندومت میں بیراگ یا سادھو کی اصطلاح تصوف کے لیے استعمال ہوتی ہے جس طرح مسلمانوں میں تصوف کے لیے غوث، قطب، نجیب، ابدال، ولی مختلف مراحل ہیں۔اسی طرح ہندوں میں رشی، منی، مہاتما، سادھو، سنیاسی، گیانی، چھتر ویدی مختلف مراتب ہیں۔ہندوں کے عقیدے کے مطابق یہ ہستیاں ماضی۔حال اور مستقبل کا حال جان سکتی ہیں ان کے پاس زبردست جادوئی قوت ہوتی ہے جیسے پہاڑ سے شہر کو تباہ کرنا، سمندر

کو پہاڑ میں تبدیل کر دینا وغیرہ وغیرہ۔

''دہکتے شعلہ زن انگاروں پر چلنا اور بغیر جلے سالم نکلنا، نوکیلے کیلوں کے بستر پر لیٹنا، ایک پاوں کے سہارے کھڑے ہونا ، ہر موسم اور بارش میں ننگے رہنا، تمام عمر نفسانی خواہشات کو مار کر شادی نہ کرنا ان کی عبادت کے بھیانک طریقے ہیں۔(۲۵)

ان کے عقیدے کے مطابق یہ روح جسم کے اندر قید کر دی گئی ہے یہ لوگ جسم کو تکلیف پہنچاتے ہیں تا کہ ان کی روح خوش ہو سکے، یہ سادھو آواگون چکر سے بچنے کے لیے شہر سے باہر جا کر جسمانی اور ذہنی ریاضتیں کرتے ہیں اور ان ریاضتیوں کو یہ نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ سادھوں کی عبادت کے اس طریقے کو یوگا کہا جاتا ہے، اس طریقے میں یہ سادھو کافی دیر تک اپنی سانس کو روک کے رکھتے ہیں حتی کہ ان پے مردے کا گمان ہونے لگتا ہے۔ یہ طویل فاقے کرتے ہیں یہ ترکِ دنیا کے قائل ہوتے ہیں اس لیے جنگلوں کی طرف نکل جاتے ہیں۔ منیر کی شاعری میں بھی یہ اساطیر ترکِ دنیا کے حوالے سے ہی ملتی ہے۔

ایک بیراگی سے مکالمہ

کیوں بیراگ لیا رے بھائی ،کیوں بیراگ لیا
کس کارن اِن سکھ کے دنوں میں
جگ کو تیاگ دیا
(۲۶)

پاروتی:

پاربتی کے معنی ہیں پربت کی بیٹی، دختر کوہ۔ پاروتی شیو دیوتا کی بیوی ہے، پاروتی، پاربتی، ستی، اُما، دیوی مہادیوی اس کے مختلف نام ہیں۔ ہندی اساطیر کے مطابق یہ ہیمادت کی بیٹی تھی، نیکی اور حسن بے مثال میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتی تھی۔ ہندومت میں اس دیوی کے دو روپ بتاے گئے ہیں ایک روپ انتہائی بھیانک اور دوسرا نرم روپ ہے۔ بھیانک روپ میں اس کو کالی یا درگا کہا جاتا ہے جبکہ نرم روپ میں اس کو پاروتی، گوری، کوہستانی کہا جاتا ہے۔ اس کی پیدائش کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ شیوا، برہما اور وشنو دیوتا کی نظروں سے نکلنے والی شعاعوں سے پیدا ہوئی تھی اس کے تین روپ تھے سرخ، سفید، کالا اس لیے اس کو تینوں زمانوں یعنی ماضی حال اور مستقبل کی دیوی کہا گیا۔ برہما نے کہا کہ لوگ مختلف ناموں سے تیری پوجا کریں گے اور تم ان خواہشات کی تکمیل کرو گی۔

پاروتی کی پیدائش کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شیوا کی بیوی تھی جب یہ مر گئی تو شیوا اس کے غم میں نڈھال ہو کر اتنا رویا کہ اس کو پانے کے لیے بہشت کے کنارے پہنچ گیا وہ اس کی نعش اٹھاے بار بار بے ہوش ہو رہا تھا کہ برہما نے اس کا سر گود میں رکھ لیا دونوں اتنا روے کے وہاں آنسوؤں کا تالاب بن گیا تو پھر ستی نے شیوا کے خیال میں ظاہر ہو کر کہا کہ میں ہیم دت کی بیٹی کی صورت میں دوسرا جنم لوں گی اور پھر سے تمھاری بیوی بن جاوں گی۔ ابن حنیف کہتے ہیں:

''لڑکپن میں پاربتی کو آسمان سے آتی ہوئی ایک آواز سنائی دی جو اسے کہہ رہی تھی کہ وہ شو کو اپنا شوہر بنانے کے لیے تپسیا کیا کرے کیونکہ شو کو اور کسی ذریعے سے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ مگر پاربتی کو اپنے حسن و شباب پر اس قدر ناز تھا کہ اس نے آسمانی ہدایت کو قابل توجہ نہیں جانا۔ اس ہدایت کا تمسخر اڑاتے ہوئے وہ سوچنے لگی کہ پچھلے جنم میں جب وہ آگ میں جل کر مر گئی تھی تو شو کو بے حد صدمہ ہوا تھا تو کیا وہ اپنے اس نئے جنم میں اسے اپنی بیوی نہیں بنائے گا؟ پھر وہ گزشتہ جنم میں میاں بیوی رہ چکے تھے اسی لیے اب بھی میاں بیوی ہونا ان کے لیے مقدر ہو چکا تھا تو اب ان دونوں میں جدائی کیسے برقرار رہ سکتی ہے۔ اسے اپنی جوانی جمال، کشش اور دوسری خوبیوں پر پورا پورا بھروسہ تھا کہ شو جب اس کا نام سنے گا تو اسے اپنی بیوی بنانے کے لیے بے تاب ہو جائے گا چنانچہ پاربتی نے تپسیاوں کے ذریعے شو کو حاصل کرنے کی کوئی کوشش بلکہ دن

رات سہیلوں کے ساتھ ہنسی خوشی کھیلنے میں مگن رہتی مگر اس کا خیال غلط نکلا اور اپنے نئے جنم میں اس کو شو کی بیوی بننے کے لیے اسے سخت تپسائیں کرنا پڑی۔''(۲۷)

پاربتی کو شو دیوتا کو پانے کے لیے نا صرف سخت ریاضتیں کرنا پڑی بلکہ کام دیوتا کی بھی مدد لینا پڑی، پاربتی کے متعلق بہت سی کہانیاں پرانوں کے ذریعے آج کے زمانے تک پہنچی ہیں ان کہانیوں سے عورتوں کی مختلف خصوصیات جھلکتی ہیں۔منیر نیازی کے کلام میں بھی پاروتی کی اساطیر موجود ہے۔اس نظم میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کوئی دیوتا شانت ہو کر مکمل یکسوئی کے ساتھ پاروتی کی داستان محبت رقم کرنا چاہتا ہو۔

میں شانت ہو کر تری پریم کتھا لکھوں گا

میں شانت ہو کر تری پریم کتھا لکھوں گا پاروتی۔۔۔۔۔۔۔!
مجھے میرے استھان سے کسی نے
اشانت کر کے اٹھا دیا ہے
(۲۸)

آتما:

لغوی معنی: روح، جان، نفس(۲۹)

''اے انسانو! تمھاری بغاوت کا نتیجہ تمھیں یہ ہے۔دنیا کی زندگی سے کچھ فائدہ اٹھانا پھر ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے تو ہم تم کو تمھارے اعمال جتائیں گے۔''(۳۰)

گنہگاروں کی روحیں جب موت کے بعد نکال کر لائی جاتی ہیں۔

''ہرگز نہیں جب روح ہانس (ہنسلی) تک آ پہنچے اور لوگ کہیں اب کون ہے جھاڑ پھونک کر کے بچانے والا، اور سمجھا کہ اب جدائی کا وقت آ گیا اور پنڈلی سے پنڈلی لپٹ گئی اس دن تیرے پروردگار کی طرف سے ہانکا جانا۔''(۳۱)

نیک روحوں کو موت کے وقت یہ محبت بھری آواز سنائی دیتی ہے۔

''اے مطمین روح! تو اپنے مالک سے خوش اور تیرا مالک تجھ سے خوش تو اپنے مالک کے پاس چلی جا۔''(۳۲)

روح سے مراد زندگی کی وہ قوت ہے جو جاندار اور غیر جاندار میں جن کی روح نکل چکی ہوتی ہے فرق کرتی ہے۔اسلام میں روح کے لیے نفس کا لفظ بھی ملتا ہے۔سورت المائدہ میں نفس کے متعلق ذکر کیا گیا ہے:

''تو جانتا ہے جو میرے دل میں ہے اور میں نہیں جانتا جو ترے دل میں ہے۔بے شک تو پوشیدہ چیزوں کو خوب جانتا ہے۔''(۳۳)

روح ایک ایسا معمہ ہے جس کے بارے میں کسی کے پاس بھی کوئی حتمی علم موجود نہیں ہے روح کے متعلق آ کر فلسفی بھی خاموش ہو جاتے ہیں انسان کو روح کے متعلق اللہ نے کچھ بھی نہیں بتایا۔نبی کریم ﷺ پر وحی کے ذریعے بس اتنا ظاہر ہوا کہ جب آپ سے روح کے متعلق سوال کیا جائے تو جواب دینا کہ یہ میرے رب کا حکم ہے۔

''یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ روح کے بارے میں کہہ دیجیے کے روح میرے رب کے حکم سے ہے۔''(۳۴)

کئی ہزار سال پہلے مصریوں نے روح سے متعلق سوال اٹھائے کہ انسان کیا ہے؟ انسان کی حقیقت کیا ہے؟ وہ کہاں سے آتا ہے اور مرنے کے بعد کہاں جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب میں بھی روح کا تصور موجود ہے۔ہندی زبان میں روح کے لیے آتما کا لفظ استعمال ہوتا ہے، ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق روح آواگون کے چکر میں پھنسی ہوئی ہوتی ہے انسانی روح سات مرتبہ جنم لیتی ہے اور پہلے جنم میں وہ جیسا کردار ادا کرئے گی اس کے مطابق ہی وہ دوسرا جنم لے گی۔منیر نیازی اور میرا جی دونوں کے کلام میں ہمیں نفس اور روح کی اساطیر ملتی ہے۔

شراپ دے کے جا چکے ہیں سخت دل مہاتما
سے کی قید میں بھٹک رہی ہے آتما
(۳۵)

خدا
میں نے کب دیکھا تجھے روحِ ابد
ان گنت گہرے خیا لوں میں تیرا مرقد
صبح کا ،شام کا ،نظارہ ہے
ذوقِ نظارہ نہیں چشم ِ گدا گر کو مگر
(۳۶)

جادو:

جادو۔طلسم۔جادوگر:سحر،افسوں،منتر،کمال کی بات (۳۷)طلسم: جادو،سحر،نیرنگ،حیرت میں ڈالنے والی بات،بھید،مبہم تحریر،یاتعویز(۳۸)

جادوایک انتہائی گھناونا اورغیراخلاقی فعل ہے جادوواقعات کواپنی مرضی کے مطابق عمل میں لانے کو کہتے ہیں جادو کی دوقسمیں ہیں ایک سفید جادو ہےاورایک کالا جادو۔سفید جادواچھے کاموں کے لیے کیا جاتا ہےاور کالا جادو برے کاموں کے لیے کیا جاتا ہے جادو کا آغاز قدیم بابل سے ہوا،جادو کے بارے میں علی عباس جلال پوری کا کہنا ہے:

''قدیم عراق کاشہر بابل جادو کا سب سے بڑامرکز تھاچنانچہ بابلی اورکالدی کے الفاظ جادوگری کے مفہوم میں بولے جاتے تھے۔بابل کا جادوتمام مشرق مما لک میں پھیل گیا۔مسلمانوں کا جادوبھی بابلیوں سے ماخوذ ہےمسلمانوں کے یہاں علمِ روحانی کی دوقسمیں ہیں(۱)علوی (یزدانی)(۲)سفلی (شیطانی)عرفِ عام میں پہلی قسم کوسفید جادو کہا جاتا ہے جس کے وسیلے سے لوگوں کے بگڑے ہوئے کام سنوارے جاتے ہیں ،بدروحوں کو نکالا جاتا ہے یا مزمن امراض کو نکالا جاتا ہے۔اسے اصطلاح میں سمیا کہتے ہیں یعنی خدا وراس کے نیک بندوں کی روحوں سے حلِ مشکلات کے لیے رجوع لانا۔کالے جادو کا مقصدلوگوں کوایذا پہنچانا،دکھ دینا،امراض لگا دینا،جان سے مار دینا ہے۔اس مقصد کے لیے شیطان اور اس کے چیلوں سے استمدادکی جاتی ہے۔بابل کے علاوہ مصرقدیم،چین قدیم اور وادی سندھ کے درواڑبھی جادو میں دسترس رکھتے تھے۔اتھرویدمیں جتنے بھی ٹونے ٹوٹکے درج ہیں وہ درواڑوں ہی سے لئے گئے ہیں۔''(۳۹)

جادو کا تعلق ہندسوں سے ہے طاق اعداد کو جادو میں کافی زیادہ اہمیت حاصل ہے۔قدیم اشوری،بابلی،سمیری تہذیب اور ہندومت میں بھی جادو کا تصور پایا جاتا ہے۔اسلام نے سحر سے انکار کیا ہے۔قرآن پاک تمام امراض کے لیے شفا ہے اس لیے مسلمانوں میں بھی یہ تصور راسخ ہوگیا کہ مختلف قرآنی آیات کے تعویز لکھ کے امراض کا علاج کیا جاسکتا ہے۔ہمارے ہاں دیہاتوں میں جب بارش نہیں برستی تو مختلف ٹونے کیے جاتے ہیں کسان خاص طور پے بارش کے نہ برسنے کی وجہ سے پریشان ہو جاتا ہے کیونکہ اس کی ساری فصل کا انحصار بارش پر ہی ہوتا ہے۔بارش کے برسنے کے لیےٹوٹکےعمل میں لائے جاتے ہیں عموماً کسی لڑا کا بڑھیا پر پانی ڈالا جاتا ہے وہ گالیاں دیتی ہےاوراس کی وجہ سے باش برستی ہے یا کسی پیرزادے پر پانی ڈالا جاتا ہے۔اس حوالے سے علی عباس جلال پوری لکھتے ہیں:

''کبھی کبھار بچیاں اپنا گڈا اور گڈی لے کرنکل آتی ہیں انہیں زمین پر رکھ کرآگ لگادی جاتی ہےاور جب دھواں اٹھتا ہےتو اس کے گرد حلقہ باندھ کرپیٹنےلگتی ہیں۔اس کے ساتھ آواز ملا کرگاتی جاتی ہیں۔

گڈی گڈا اساڑیا

دس میاں کالیا

گڈی گڈاپٹیا
دس میاں چٹیا
کالیاں اٹاں کالے روڑ
مینہ وساوز وروز ور (۴۰)

منیر نیازی اور میراجی کے کلام میں بھی ہمیں جادو، جادوگر، جادوگرنیاں اور طلسم کی اساطیر بھی ملتی ہے۔

خلش

وہ خوب صورت لڑکیاں
دشت وفا کی ہرنیاں
شہر شب مہتاب کی
بے چین جادو گرنیاں
(۴۱)

خمیازہ

اور میں چل ہی دیا غور کب کیا اس پر
کتنا محدود ہے انسان کی قوت کا ~~طلسم~~
بس یہی جی کو خیال آیا تمھیں خوش کر دوں
یہ نہ سوچا کہ یوں مٹ جائے گا راحت کا ~~طلسم~~
(۴۲)

شیطان:

شیطان شطن سے بنا ہے، شطن کے معنی ہیں رسن متحرک و دارز اور دور ہونا، شیطان چونکہ خیر سے دور ہے اور شر کے اندر طویل و متحرک۔ انسان کو شیطان کہنے سے مراد ہے کہ اس سے شیطان کی طرح افعال کا صدور ہو ہر بری چیز شیطان سے مشابہہ ہے۔(۴۳)

کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ شیطان بہت بدصورت سانپ ہوتے ہیں۔شیطان گھوڑے کی گردن کے بالوں کو بھی کہتے ہیں ۔شیطان ایک گھاس کا نام بھی ہے۔''رجیم بمعنی مرجوم (پھٹکارا ہوا) جس پر اللہ کی لعنت کی مار ہے۔''(۴۴)

حضرت آدمؑ کو سجدہ نہ کرنے کی بنا پر اللہ نے شیطان کو اپنی بارگاہ سے دور کر دیا اور اُس کو آسمان سے زمین کی طرف پھینکا گیا اور اس پر اللہ کی لعنت ہے شیطان بھلائی سے، خیر سے اور جنت سے بہت دور ہے جبکہ اس کے برعکس شر سے اور دوزخ سے بہت قریب ہے۔اسی لیے اللہ رب العزت نے آپ ﷺ اور آپ ﷺ کی امت کو شیطان مردود کی شر سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے۔شیطان طرح طرح کے بھیس بدل کر انسان کو ورغلاتا اور پھٹکارتا ہے۔شیطان انسان کو اللہ کی ہدایت سے دور کرتا ہے، شیطان انسان کے دل میں طرح طرح کے وسوسے پیدا کرتا ہے وہ انسان کو دنیا کی رنگینی کی طرف متوجہ کرتا ہے اور اس کو آخرت کی طرف سے غافل کر دیتا ہے اور اس طرح انسان کے سب اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ ہندومت میں شیطان کا وجود نہیں ہے۔

بقول ڈاکٹر تنویر احمد علوی:

''ہندوستان کے اپنے فلسفہ زندگی میں کہیں شیطان موجود نہیں ہے یہ تصورات زیادہ تر مسلمان قوموں کے ہیں یا پھر عیسائی اور یہودی اقوام میں خاص طور پر ایران کے فلسفے میں ہم ان خیالات کا عکس دیکھتے ہیں۔ ہندوں میں برائی کو پیش کرنے والا نادر منی جیسا کردار بھی مل جاتا ہے مگر وہ مستقل برائی ہو ایسا نہیں ہے۔''(۴۵)

ڈاکٹر تنویر احمد علوی:

''ایرانیوں نے خدائی قوت کو دو دائروں میں تقسیم کر دیا ایک یزداں دوسرا اہرامن۔ یزداں ان کے نزدیک نیکیوں کا خدا ہے اور اہرامن برائیوں کا۔''(۴۶)

میراجی کی نظم حادثہ میں شیطان فرشتے کا روپ دھار کر جلوہ گر ہوتا ہے اور انسان کو ہدایت کے راستے سے گمراہ کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

حادثہ

اس حقیقت کو کبھی تو جان سکتی ہی نہ تھی
اُس فرشتے کی حسیں ملبوس میں شیطان تھا
دل پہ ترے چھائی وحشت مست مست
اور پھر دل سے مرے رخصت ہوا جوشِ جنوں
(۴۷)

گنگا:

وشنو اور برہما دیوتا کے پاس اپنے اپنے آسمان ہیں لیکن شوا اپنے آسمان سے محروم ہے اس لیے وہ شمشانوں، ویرانوں اور بھوت پریتوں کے ساتھ جنگلوں میں مارا مارا پھرتا ہے اس کا مسکن ہمالیہ پربت ہے اور وہاں وہ سخت تپسیا کرتا رہتا ہے بعض روایتوں کے مطابق شو کو بھی آخر میں آسمان حاصل ہو گیا تھا وہ کیلاش پربت پر ہے۔ شو دیوتا اس لیے آوارہ گردی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوا تھا کہ اس نے برہما دیوتا کا پانچواں سر قلم کر دیا تھا اور اسی لیے وہ سخت تپسائیں کرتا تھا۔ گنگا آکاش کی ندی ہے یہ کبھی بھی زمین پر نہ آتی گنگا کو اگر شو دیوتا اپنے سر پر نہ لیتا۔ یہ براہ راست زمین پر آتی تو بہت تباہی مچا دیتی یہ شو دیوتا کا زمین والوں پر بہت بڑا احسان ہے۔ گنگا تین ہیں ایک آسمان پر ایک زمین پر اور ایک پاتال میں ہے۔ بقول ابن حنیف:

''جب شو گنگا کو اپنے سر پر لینے کے لیے رضامند ہو گیا تو اس نے گنگا کو حکم دیا اتر نیچے آجا ہاون (ہمالیہ پہاڑ) کی خشم آلود پرشکوہ بیٹی نے حکم سنا وہ شور مچاتی ناقابلِ برداشت تیزی کے ساتھ آسمان کی بلندیوں سے اتری اور شو کے سر پر برس گئی۔''(۴۸)

گنگا اپنی تندی اور تیزی کے ساتھ نیچے آئی کہ شو ناراض ہو گیا اور اس نے اس کو اپنے پر پیچ بالوں میں قید کر لیا اور پھر بڑی مشکل سے شو مانا اور اس کو سات حصوں میں تقسیم کر کے میدان میں بہنے کی اجازت دے دی۔ میراجی کی نظم چل چلاو میں بھی گنگا آکاش کی اساطیر کے طور پر استعمال ہوئی ہے۔

چل چلاو

طوفان کی چنچل دیکھ ڈری، آکاش کی گنگا دودھ بھری
(۴۹)

شجر ممنوعہ:

شجر جس کے لیے درخت کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے۔ درخت ہماری زندگی میں ایک انتہائی اہم کردار ادا کرتے ہیں درختوں کی وجہ سے ہی ہمیں سانس لینے کے لیے تازہ اور صاف ہوا میسر آتی ہے۔ درخت کا تصور بہت قدیم ہے۔ جنت کے حوالے سے بھی ایک درخت طوبیٰ کا ذکر کیا گیا ہے اس کے علاوہ بھی جنت کے جن پھل دار درختوں کا ذکر کیا گیا ہے ان کے متعلق بھی کہا گیا ہے کہ ان کے پھل اتنے قریب ہوں گے کہ ہاتھ بڑھا کر ان کا پھل توڑ لیا جا سکتا ہے۔ حضرت جبرئیلؑ جو اللہ کے مقرب فرشتے ہیں اُن کا مقام اعلیٰ بیری کا درخت ہے جس کو سدرۃ المنتہا بھی کہا جاتا ہے اور اسی حوالے سے درختوں کو مقدس بھی مانا جاتا ہے جب میت کو غسل دیا جاتا ہے تو اس پانی میں بھی بیری کے پتے ڈالے جاتے ہیں قبر کے سرہانے بھی بیری کا درخت لگائے جانے کو برکت سمجھا جاتا ہے۔ قرآن پاک کے اندر ایک سے زیادہ مرتبہ اشجار کا ذکر آیا ہے اللہ کی عظمت و کبریائی کو سجدہ کرنے والوں میں درخت بھی

شامل ہیں۔

مختلف مذاہب میں درختوں کے متعلق مختلف عقائد پائے جاتے ہیں۔ ہندوں کے نزدیک درختوں کا پانی دینا ایک مقدس فریضہ ہے یہ تلسی کے پودے کو جل چڑھاتے ہیں۔ مصر میں دیوتاب کے نام سے ایک باغ لگایا جاتا تھا اور اس کے پھل پھول صرف اسی دیوتا کے لیے ہوتے تھے۔ کچھ جگہوں پر یہ عقیدہ بھی پایا جاتا ہے کہ درختوں پر مقدس روحیں بھی رہتی ہیں اس کے علاوہ چڑیلیں، جن بھوت وغیرہ کا مسکن بھی درختوں پر ہوتا ہے اسی وجہ سے کچھ لوگوں کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ شام کے وقت درختوں کو نہیں چھڑنا چاہیے اور اگر چھڑا جائے گا تو بھوت چمٹ جائیں گے۔ جب حضرت نوحؑ کی قوم غرق ہوئی اس وقت بھی ایک پرندہ منہ مین زیتون کی ڈالی لے کر آیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کی نجات کا بھی ایک ذریعہ ہیں، درختوں کو خوبصورت روشنیوں سے بھی سجایا جاتا ہے جو شجرِ طور کی یاد دلاتا ہے۔ جنت سے نکالے جانے کے بعد آدم وحوّا نے اپنے ستر کو چھپانے کے لیے درختوں کے پتے ہی استعمال کیے۔

قرآن پاک میں شجرِ ممنوعہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ بقول ڈاکٹر تنویر احمد علوی:

> ''اس درخت کے قریب مت جانا جس کے یہ معنی ہیں کہ یہ درخت اپنی بھیدوں بھری چھاوں کے ساتھ اسرارِ فطرت کا ایک حصہ تھا جس کو شجرزارِ بہشت میں رکھا گیا تھا۔ آدمؑ کو شجرزارِ بہشت کی سیر کا اجازت تھی مگر اس کو چھونے کی نہیں شیطان کے بہکانے اور حوا کے شیطان کے دامِ فریب میں آجانے کے نتیجے میں جب اس درخت کو چھولیا گیا تو آدم وحوا کے ساتھ شیطان اور بہشتی مخلوق کے ساتھ دوسرے افراد کو اس نافرمانی کی سزا دی گئی۔''(۵۰)

میراجی کے کلام میں شجرِ ممنوعہ کی اساطیر کا استعمال کیا گیا ہے۔

شجرِ ممنوعہ کی ترغیب(۵۱)

جنت:

> ''لغوی معنی :اچھے اعمال کے بدلے آخرت میں ابدی آرام و آسائش کا مقام ،(مجازاً)عیش کی جگہ ،سہانے مناظر،خوبصورت باغ۔(۵۲)

جنت کے لیے بہشت کا لفظ بھی استعمال کیا جاتا ہے ہندو بہشت کو سورگ یا نروان بھی کہتے ہیں جبکہ اسلامی عقیدے کے مطابق جنت ایسی جگہ ہے جہاں آخرت میں اللہ کے نیک بندے رہیں گے۔ وہ لوگ جنہوں نے دنیا میں اپنے پروردگار کی اطاعت وفا مانبرداری کی ہوگی اپنی زندگیاں اللہ کے احکامات کے مطابق بسر کی ہوں گی مرنے کے بعد بطور انعام ان کو جنت ملے گی۔

> ''جولوگ ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے اُن کو اللہ ایسی جنتوں میں داخل کرئے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ وہاں وہ سونے کے کنگنوں اور موتیوں سے آراستہ کیے جائیں گے اور ان کے لباس ریشم کے ہوں گے۔''(۵۳)
> ''یہ تو ہیں ہی مقرب لوگ۔ جو رہیں گے نعمت بھری جنتوں میں۔ بہت ہوں گے پہلوں میں سے۔ اور کم ہوں گے پچھلوں میں سے۔ (یہ سب) آراستہ پیراستہ مسندوں پر۔ تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے آمنے سامنے۔(۵۴)

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت نیک اعمال کے بدلے میں ملے گی وہاں دودھ اور شہد کی نہریں ہوں گی حسین عورتیں ان کی خدمت پر مامور ہوں گی، خوبصورت محلات ہوں گے جو جواہرات اور موتیوں سے بنے ہوں گے۔ دیدہ زیب لباس ہوں گے۔ مختلف قوموں میں جنت کے متعلق مختلف تصورات ملتے ہیں اس حوالے سے علی عباس جلال پوری لکھتے ہیں:

> ''اہل جنت کی خدمت پر غلمان یعنی سادہ عذار لڑکے اور خوبصورت حوریں جن کا رنگ نکھرا ہوا گورا اور آنکھوں کی پتلیاں گہری سیاہ ہیں مامور ہوں گی۔ مجوسیوں کے بہشت میں ابھری ہوئی چھاتیوں والی پریکا (پریاں) بہشت کے مکینوں کا جی بہلائیں گی، اوستا میں فردوس کے دربان فرشتے کا نام دوہومنو ہے۔ جب کے مسلمانوں میں رضوان بہشت کا محافظ ہے ۔ ہندومت کے اِندرلوک میں سونے کے محل ہیں، جواہر آبدار سے آراستہ، ہر طرف باغ خوشنما موجود ہیں، نہریں بہہ رہی

ہیں، پھول کھل رہے ہیں، بیلیں لہلہا رہی ہیں، درخت ہر جگہ چھا رہے ہیں، گندھرو (آسمانی گویے) سازوں کے گیت پر اپسرائیں ترغیب آواز انداز میں ناچ رہی ہیں۔۔۔۔یونانی فلسفہ کا بہشت خانہ بے تشویش ہوگا جس میں فلسفی محویت کے عالم میں سر جھکائے بیٹھے کائنات کے مسائل پر غور وفکر کریں گے۔''(۵۵)

ہندومت میں بھی جنت کا تصور موجود ہے ہندو اس کے لیے سورگ، نروان، ناوش، اندرلوک کے نام بھی استعمال کرتے ہیں۔ ہندوں کا بھی یہ عقیدہ ہے کے جن کی روحیں نیک ہوتی ہیں ان کے نیک کرموں کا پھل پانے کے لیے ان کو سورگ میں بھیج دیا جاتا ہے وہاں ان کو کوئی غم، دکھ اور پریشانی نہیں ہوتی۔منیر نیازی کی شاعری میں جنت کا تصور حضرت آدم وحوا کے جنت سے نکالے جانے سے وابستہ ہے جب اللہ نے آدم وحوّا کو تخلیق کیا تو تمام فرشتوں، جنات کو سجدے کا حکم دیا گیا، آدم وحوّا کو جنت کی تمام نعمتیں عطا کی گئیں سوائے ایک درخت کا پھل کھانے کے شیطان نے ان کو اس کا پھل کھانے کی ترغیب دی اور اللہ نے ان کو جنت سے نکال دیا۔منیر نیازی کے خیال میں مرد اور عورت میں جو جنس کا تضاد ہے وہ ازل سے سزا کے طور پر قائم ہے۔منیر نیازی کی نظم میں بھی آدم وحوّا کو جنت سے نکالے جانے کا منظر پیش کیا گیا ہے۔

مرد اور عورت

یوں کبھی لگتا ہے ان میں دشمنی ہے دیر کی
اس زمین پر زیست کے آثار جتنی دیر کی
ان کو جنت سے زمین پر جس گھڑی پھینکا گیا
اک سزا ساتھ تھی ان کے یہ سدا کی دشمنی

(۵۶)

سانپ:

''لغوی معنی: رینگنے والا لمبوترا جانور جسکی بہت سی قسمیں ہوتی ہیں اور بعض نہایت زہریلی (مجازاً) موذی، زہر ناک، دشمن(۵۷)

سانپ اور انسان کا رشتہ بہت قدیم ہے کہا جاتا ہے کہ سانپ جنت کے محافظوں میں سے تھا اور شیطان سانپ کے منھ میں بیٹھ کے جنت میں داخل ہوا تھا اور حضرت آدمؑ اور حضرت حوّا کو شجر ممنوعہ کا پھل کھانے کی ترغیب دی تھی اسی وجہ سے شیطان کے ساتھ سانپ کو بھی جنت سے نکال دیا گیا۔سانپوں کی تین ہزار کے قریب اقسام ہیں جن میں سے تقریباً چودہ سو سانپ انتہائی زہریلے ہیں کو برا سانپ سب سے زیادہ خطرناک ہے۔سانپوں کی ایک قسم ایسی بھی ہے جس کے دو سر ہوتے ہیں کچھ سانپ بجلی کی مانند حملہ کرتے ہیں جن کو اُڑن سانپ بھی کہا جاتا ہے۔ناگ کی پوجا دراوڑی روایت ہے قدیم زمانے میں ناگ کو بقا اور موت کے بعد زندگی کی علامت سمجھا جاتا تھا۔فراعین مصر اپنے تاج پر ناگ کی شبیہ بناتے تھے۔علی عباس جلال پوری لکھتے ہیں:

''ہندوستان میں ہر سال ساون کے مہینے میں ناگ نچمی کا تہوار مناتے ہیں، ناگ کے مجسمے کی مندھی بنا کر اس کی پوجا کرتے ہیں ان کے ہاں ناگ کو جان سے مارنا ممنوع ہے عورتیں اسے دودھ پلاتی ہیں ایک روایت کے مطابق دنیا شیش ناگ کے پھن پر کھڑی ہے۔''(۵۸)

ہندومت میں دیوی دیوتاوں کی طرح سانپ کی پوجا بھی کی جاتی ہے، دیگر مذاہب میں بھی سانپ کی پوجا کے حوالے ملتے ہیں۔اس حوالے سے علی عباس جلال پوری لکھتے ہیں:

''کشمیر قدیم زمانوں سے ناگ پوجا کا مرکز رہا ہے یونان قدیم میں بھی ناگ کے لیے مندر تعمیر کیا گیا تھا جہاں اسے شہد کی ٹکیاں کھلائی جاتی تھیں۔''(۵۹)

سانپ کے حوالے سے یہ بھی تصور پایا جاتا ہے کہ یہ خزانے کی حفاظت کرتا ہے۔قدیم زمانے میں جب لوگ اپنا خزانے زیر زمین دفن کرتے تھے تو وہ اس برتن پر آٹے کا سانپ بنا دیتے تھے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ یہ سانپ سچ مچ کا سانپ بن کر ان کے خزانے کی حفاظت کرے گا۔سانپ اور جنس کا تعلق بھی خاصا قدیم ہے۔قدیم زمانے میں لوگ سانپ کو حیات نو اور جنسی ترغیب کی علامت بھی سمجھتے تھے۔سانپ کو دشمنی کی علامت بھی سمجھا جاتا ہے،منیر نیازی کی اس نظم میں سانپ کی اساطیر یک دشمن کے حوالے سے ہی استعمال کی گئی ہے۔

دشمنوں کے درمیان شام

کھیت ہیں اور ان میں اک روپوش سے دشمن کا شک
سرسراہٹ سانپ کی گندم کی وحشی گر مہک
(۶۰)

حوالہ جات

۱۔ القرآن،سورۃ الانفال،آیت ۳۱
۲۔ المنجد،دارالاشاعت،کراچی،۱۹۶۰،ص ۷۰
۳۔ محمد عبداللہ خاں خویشگی،فرہنگِ عامرہ،مقتدرہ قومی زبان،اسلام آباد،۱۹۸۹ء،ص ۲۹
۴۔ عبدالمجید خواجہ،جامع اللغات(جلد اول)،اُردو سائنس بورڈ،لاہور،۱۹۸۹ء،ص ۱۶۲
۵۔ شان الحق حقی،فرہنگِ تلفظ،مقتدرہ قومی زبان،اسلام آباد،۱۹۹۵ء،ص ۴۷
۶۔ وارث سرہندی،علمی اردو لغت،علمی کتاب خانہ،لاہور،۲۰۱۵ء،ص
۷۔ رشید ملک،انڈالوجی(۴)اساطیر(۱)مشمولہ فنون،لاہور،شمارہ ۲۹ نومبر دسمبر ۱۹۸۹ء،ص ۱۹
۸۔ عبدالحق مہر،ڈاکٹر،ہندو صنمیات،بیکن بکس،ملتان،۱۹۹۳ء،ص ۱
۹۔ وزیر آغا،ڈاکٹر،تخلیقی عمل،مکتبہ اردو زبان،سرگودھا۔۱۹۷۰ء،ص ۵۱
۱۰۔ تقدیس زہرا،ڈاکٹر،بیسویں صدی کی اردو شاعری میں اساطیری عناصر،مغربی پاکستان اردو اکیڈمی،لاہور،۲۰۱۵ء ص ۱۶
۱۱۔ ایضاً،ص ۳۳،ص ۳۴
۱۲۔ فیروز اللغات،ص ۵۵
۱۳۔ ابن حنیف،بھولی بسری کہانیاں بھارت،بیکن بکس،ملتان،۱۹۹۲،ص ۳۴۶
۱۴۔ ایضاً،ص ۳۴۷
۱۵۔ ایضاً ص ۳۴۷
۱۶۔ ایضاً ص ۳۴۷
۱۷۔ ایضاً ص ۳۵۵

۱۸۔ منیر نیازی، کلیاتِ منیر نیازی، دوست پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۸، ص ۳۵

۱۹۔ سید یحییٰ نشیط، ڈاکٹر، اسطوری فکر و فلسفہ، اُصول پبلی کیشنز، پونہ، ۲۰۰۸ء، ص ۳۸

۲۰۔ عبدالحق مہر، ڈاکٹر، ہندو صنمیات، بیکن بکس، ملتان، ۱۹۹۳ء، ص ۲۲۹

۲۱۔ سردار دیوی سہائے، ہندو کلاسیکل ڈکشنری، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۱ء، ص ۲۵۹

۲۲۔ منیر نیازی، کلیاتِ منیر نیازی، دوست پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۸، ص ۴۷

۲۳۔ راجہ راجیسور راو اصغر، ہندی اُردو لغت، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۸ ائص ۱۳۷

۲۴۔ ایضا، ص ۲۸۷

۲۵۔ مقدمہ ارتھ شاستر، ص ۱۳۰

۲۶۔ منیر نیازی، کلیاتِ منیر نیازی، دوست پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۸، ص ۴۸۶

۲۷۔ ابن حنیف، بھولی بسری کہانیاں بھارت، بیکن بکس، ملتان، ۱۹۹۲، ص ۲۱۷، ۲۱۶

۲۸۔ منیر نیازی، کلیاتِ منیر نیازی، دوست پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۸، ص ۱۳۷۔

۲۹۔ شان الحق حقی، فرہنگِ تلفظ، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۵ء، ص ۱۳۳

۳۰۔ علامہ شبلی نعمانی، علامہ سید سلیمان ندوی، سیرت النبی ﷺ، جلد چہارم، مکتبہ مدینہ، لاہور، ۱۴۰۸ھ، ص ۳۴۰

۳۱۔ ایضاً، ص ۳۴۱، ۳۴۰

۳۲۔ ایضاً، ص ۳۴۱

۳۳۔ القرآن، سورۃ المائدہ، آیت ۱۱۶

۳۴۔ القرآن، سورۃ اسری، آیت ۸۵

۳۵۔ منیر نیازی، کلیاتِ منیر نیازی، دوست پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۸، ص ۵۴

۳۶۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، کلیاتِ میراجی، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۴ء، ص ۲۶۶

۳۷۔ شان الحق حقی، فرہنگِ تلفظ، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۵ء، ص ۳۵۲

۳۸۔ ایضا، ص ۶۹۱

۳۹۔ علی عباس جلال پوری، کائنات اور انسان تخلیقات، لاہور، ۲۰۱۳ء، ص ۵۴

۴۰۔ ایضا، ص ۷۵، ۷۴

۴۱۔ منیر نیازی، کلیاتِ منیر نیازی، دوست پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۸، ص ۶۵

۴۲۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، کلیاتِ میراجی، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۴ء، ص ۳۰۰

۴۳۔ شیخ عبدالقادر جیلانی، غنیۃ الطالبین، پروگریسو بکس، لاہور، سن ندارد، ص ۲۲۰

۴۴۔ ایضا، ص ۲۰۰

۴۵۔ تنویر احمد علوی، ڈاکٹر، کلاسیکی اردو شاعری، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۲۰۰۹ء، ص ۱۲۰

۴۶۔ ایضا۔ ص ۱۲۰

۴۷۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، کلیاتِ میراجی، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۴ء، ص ۴۲۵

۴۸۔ ابن حنیف، بھولی بسری کہانیاں بھارت، بیکن بکس ملتان، ۱۹۲۲ء، ص ۱۵۰
۴۹۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، کلیاتِ میراجی، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۴ء، ص ۴۱
۵۰۔ تنویر احمد علوی، ڈاکٹر، کلاسیکی اردو شاعری، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۲۰۰۹ء، ص ۲۱۸، ۲۱۹
۵۱۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، کلیاتِ میراجی، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۴ء، ص ۵۱۲
۵۲۔ شان الحق حقی، فرہنگِ تلفظ، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۵ء، ص ۳۷۳
۵۳۔ القرآن، سورۃ الحج، آیت ۲۳
۵۴۔ القرآن، سورۃ الواقعہ، آیت ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶
۵۵۔ علی عباس جلال پوری، خرد نامہ، تخلیقات، لاہور، ۲۰۱۳ء، ص ۶۷، ۶۸
۵۶۔ منیر نیازی، کلیاتِ منیر نیازی، دوست پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۸، ص ۲۲۷
۵۷۔ شان الحق حقی، فرہنگِ تلفظ، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۵ء، ص ۶۰۴
۵۸۔ علی عباس جلال پوری، رسومِ اقوام، تخلیقات، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص ۸۹
۵۹۔ ایضاً، ص ۹۰
۶۰۔ منیر نیازی، کلیاتِ منیر نیازی، دوست پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص ۲۶۲